Article

The Rank of Bedil Haidari in Urdu Poetry

اردو شاعری میں بیدل حیدری کا مقام

Rabia Sahar [*1]
Lecturer, Department of Urdu,Govt. Graduate College for Women, Khanewal
Jafer Ali Khan [*2]
Lecturer, Department of Urdu, Govt. Graduate College, Jhang

[*1] **رابعہ سحر**

لیکچرر اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، خانیوال۔

[*2] **جعفر علی خان**

لیکچرر اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ۔

Correspondance: rstefl900@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 21-10-2024
Accepted: 18-12-2024
Online: 25-12-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This paper examines the significant role of Bedil Haidari in Urdu poetry, particularly within the context of 20th-century literary developments. Poetry, as an important and widely appreciated art form, allows for the expression of human emotions and sentiments, and has been a key component of South Asian culture. Prominent poets such as Ghalib, Mir, Iqbal, and Faiz shaped the trajectory of Urdu poetry, with the 20th century witnessing notable artistic and intellectual experimentation. In this era, Bedil Haidari sought to harmonize classical traditions with modern sensibilities. His poetry focused on themes of economic hardship, critiquing the bourgeoisie, advocating for labor rights, and addressing international issues. His work not only articulated these concerns but also explored their root causes. Talib Hussain Batalvi and other contemporaries recognized Haidari's efforts to give voice to the oppressed, viewing his work as a call for societal transformation toward peace and love. Today,

Bedil Haidari's poetry continues to resonate deeply with readers, underscoring its timeless relevance in the literary world.

KEYWORDS: Bedil Haideri, Urdu Poetry, Ghazal, Khanewal, Urdu Ghazal, Ghalib, Mir, Iqbal, Faiz, Culture, Love

شاعری معروف و مقبول اور انتہائی اہم صنف ہے شاعری کے ذریعے انسان اپنے جذبات و احساسات کا اظہار دوسروں تک بآسانی پہنچا سکتا ہے۔ آج کل اردو شاعری جنوبی ایشیا کی تہذیب کا ایک اہم حصہ ہے۔ غالب، میر، درد، انیس، ذوق، داغ، اکبر، اقبال اور فیض کا شمار اردو شاعری کے سب سے بڑے شعراء میں کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں بیسویں صدی نہایت اہمیت کی حاصل ہے۔

نئے اسالیب نے بیسوی صدی کی شاعری پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ بیسوی صدی میں شاعری فنی و فکری تجربات سے دوچار ہوئی۔ شاعری وہ فن ہے جو ماضی حال اور مستقبل تینوں کو ہم عصر بناتا ہے۔

غزل ہمارے شعری ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ غالب نے اردو غزل کو نیا مزاج نیا رویہ نیا آہنگ اور نئی روش دی۔ غالب کی اس روایت کو اقبال اور حالی جیسے عظیم شعرا نے آگے بڑھایا۔ اردو زبان و ادب میں اگرچہ بہت ترقی ہوئی لیکن افراتفری اور انتشار کے اس دور میں غزل کو ایک مجرد کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ ادبی مراکز سے بہت دور ضلع خانیوال کی تحصیل کبیر والا میں بیدل حیدری غالب کی روایت کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔

بیدل کی شاعری کا اہم موضوع معاشی تنگدستی بورژوا طبقہ پر کڑی تنقید چائلڈ لیبر معاشی حقوق، تانیثی حقوق اور بین الاقوامی نوعیت کے مضامین آپ کی شاعری کا اہم موضوع رہے۔ آپ نے ان تمام موضوعات کو نہ صرف بیان کیا بلکہ ان کے محرکات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بیدل حیدری آج بھی اپنی لازوال شاعری کے ذریعے اہل سخن کے دلوں پر راج کر رہے ہیں۔

ادب کا سماج کے ساتھ رشتہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا پرانا ادب خود ہے۔ کوئی معاشرہ جن حالات سے گزر رہا ہو وہاں جو تہذیب پنپ رہی ہو اور اس معاشرہ میں جو اقدار پرورش پا رہی ہوں، ادب نہ صرف ان تمام امور کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں مثبت تبدیلی کا بھی خواہش مند ہوتا ہے۔ اردو ادب بھی پاکستان کے ہر عہد کی تاریخی عکس بندی کے ساتھ ساتھ ہر دور میں موجود مسائل کے خلاف احتجاج پر مبنی ہے۔ پاکستان کے شاعروں نے مختلف ادوار میں اپنی شاعری میں مختلف مضامین کو باندھ کر پاکستانی سماج کی بھرپور عکس بندی کی ہے۔ قیام پاکستان جہاں مسلمان ہند کے

لیے انگریزوں سے آزادی کا پیغام لے کر آیا وہیں ہجرت اور فسادات کی ہولناکیوں کا پیش خیمہ بھی بنا۔ انسان، انسانیت کا دشمن بنا اور لاکھوں افراد کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ ہزاروں خواتین کی عصمت دری ہوئی، لاکھوں افراد کا قتل عام ہوا، کروڑوں لوگ بے گھر ہوئے مگر اقتدار اور طاقت کی بھوکی سیاست نے تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ظلم و بربریت کو جاری رکھا۔ ان تمام حالات نے اردو شعراء پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

دنیا کی تاریخ میں بیسویں صدی کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے اس سے پہلے کوئی صدی پوری دنیا کیلئے یکساں حالات اور یکساں مصائب و مشکلات پیش نہ کر سکی۔ پوری دنیا نے اس صدی میں ایک واحد تمدن کی طرف حرکت کی جس کے نتیجے میں دنیا کے ہر ملک کا ادب دوسرے ممالک کے ادب سے متاثر ہوا۔ بیسویں صدی میں اردو شاعری بھی دنیا بھر کی شاعری کے خیالات، تشبیہات اور استعارات سے مستفید ہوئی۔ اس دور کے شعراء زندگی کے ہر رخ سے متاثر ہوئے چنانچہ ادب خاص طور پر شاعری میں فنی و فکری ضابطے سامنے آئے۔

بیسویں صدی انقلابی تبدیلیوں پر مشتمل صدی تھی۔ اس صدی میں معاشرتی، اقتصادی، صنعتی، سائنسی غرض ہر لحاظ سے انقلابی تبدیلیاں وقوع پزیر ہوئیں۔ یہی صدی مشینی انقلاب کا پیش خیمہ بنی اور کمپیوٹر اور موبائل فون کی ایجاد نے دنیا کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ انسان جو کام ہاتھوں سے دنوں میں کرتے تھے وہی کام مشینوں کی مدد سے منٹوں میں ہونے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف سائنسی ایجادات ہوئیں اور اس صدی میں مختلف ملکوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں بھی ٹیکنالوجی کا استعمال ہوا۔ اس صدی کی انقلابی تبدیلیوں سے دنیا کا کوئی بھی ادب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ادب کی افادیت اور مقصدیت کے علاوہ دیگر کئی پہلوؤں پر بحث ہونے لگی۔ فنی، ہیتی اور اسلوبیاتی لحاظ سے ادب میں مختلف اصناف کا اضافہ بھی ہوا۔ گویا بیسویں صدی ہر لحاظ سے انقلابی تبدیلیوں پر مشتمل رہی۔ بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی منظر نامے نے نئی سماجی اقدار اور نئے ادبی اذہان کو پیدا کیا۔ اردو ادب کے لسانیاتی ڈھانچے میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اردو زبان و ادب پر فارسی کا اثر کم ہوتا گیا جبکہ انگریزی زبان غالب ہونے لگی۔ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی "تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند" میں اسی بابت رقم طراز ہیں:

> "ملک میں سیاسی حالات کی نوعیت ایسی تھی کہ لکھنے والے حقیقی واقعات سے آنکھیں نہیں چرا سکتے تھے۔ خلافت، جلیانوالہ باغ کا قتل عام، ہندو مسلم فسادات، سائمن کمیشن کا مقدمہ، آزادی کا مطالبہ، ترک موالات، سول نافرمانی اور ایسے ہی دوسرے موضوعات پر برابر طبع آزمائی ہوتی رہی"۔[1]

کبیر والا کی شعری روایت میں بھی بیسویں صدی کے اثرات بدرجہ اتم موجود ہیں۔

بیدل حیدری

اردو شاعری کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ایسے بہت سے نام مل جائیں گے جو ادبی مراکز سے دور دراز کے علاقوں میں اچھا ادب تو تخلیق کرتے رہے مگر اپنے عہد میں وہ مقبولیت اور شہرت نہ حاصل کر سکے جس کے وہ اہل تھے۔ تاریخ ادب میں نظیر اکبر آبادی جیسے بڑے اور عوامی شاعر کو ادبی مرکز سے دوری کی بنا پر اپنے عہد میں وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ اہل تھے۔ البتہ گزرتے وقت کے ساتھ ہونے والی تحقیق نے نظیر کو لوگوں کے سامنے صحیح معنوں میں پیش کیا اور انہیں ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ عبد الرحمن بیدل حیدری بھی اسی قبیل کے شاعر ہیں۔ اسی بابت شکیل سروش رقم طراز ہیں:

"عموماً خیال کیا جاتا ہے اور بجا کے خیال کیا جاتا ہے کہ بیدل صاحب اگر کسی بڑے ادبی مرکز میں قیام فرما ہوتے تو شاید آج ان کی تخلیقات مختلف مدارج کے تعلیمی نصاب کا حصہ بھی قرار پا چکی ہوتی"۔[2]

بیدل حیدری 20 اکتوبر 1920ء کو غازی آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبد الرحمن تھا۔ ابتدا میں بیدل غازی آباد تخلص کرتے تھے۔ بعد ازاں سرزمین دہلی (بھارت) کے نامور استاد شاعر "جلال الدین حیدر دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ استاد محترم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بیدل حیدری کہلوانے لگے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پہلے لاہور اور بعد میں ملتان کے قریب قصبہ کبیر والا (ضلع خانیوال) میں رہائش اختیار کر لی۔ تعلیم ایف ایس سی، ادیب فاضل، ایل ایس۔ ایم ایف میڈیکل۔ پیشہ کے اعتبار سے بیدل حیدری ایک ڈاکٹر تھے۔ کبیر والا میں آپ کا اپنی نواسی ارفع کے نام سے کلینک بھی تھا۔ جہاں آپ دکھی انسانیت کی خدمت کیلئے دن رات کوشاں رہے۔ شاعری کا آغاز 1944 سے کیا۔ ان کی شاعری زیادہ تر رومان، معاشرتی ناہمواری، غربت اور تنگدستی جیسے موضوعات کے گرد گھومتی ہے۔ متعدد مقامی شعراء ان کے شاگرد بن گئے۔

شعری مجموعے:

اوراقِ گل (1956ء) (اب یہ کتاب ناپید ہے)

میری نظمیں (1994ء) پشت پہ گھر (1996ء)

ان کہی (2004ء)

کتبے ٹھہر گئے (ترتیب و تدوین ڈاکٹر رحمت علی شاد)

کلیات بیدل حیدری (2015ء)

ان کا وصال 07 مارچ 2004ء کو کبیر والا میں ہوا۔ ایک شاگرد شکیل سروش نے ادب وثقافت (انٹرنیشنل) کے زیر اہتمام "کلیات بیدل حیدری" شائع کی ہے جن میں ان کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ کلیات میں ان کے مجموعے "میری نظمیں" "پُشت پہ گھر" "ان کہی" اور "کتبے ٹھہر گئے" "شام کیے گئے ہیں۔ جو ان کی نظموں، غزلیات، قطعات، رُباعیات، خُمریات اور ہائیکو پر مشتمل ہیں۔

بیدل نے اپنی شاعری کا آغاز کلاسیکی انداز میں کیا۔ لیکن جب پاکستان میں جدید غزل گو شعراء نے موضوعات اوراسالیب کے تجربات شروع کیے تو انہوں نے جدید انداز غزل اختیار کیا اور اس میں بڑے کامیاب رہے۔ ان کے ہاں بعض پرانے مضمون بھی نیا انداز اور نیا سلیقہ لیے ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری میں ذات سے اجتماع کی طرف مراجعت کا رویہ بڑا نمایاں ہے۔ بیدل اپنی شاعری میں اثر پیدا کرنے کیلئے کئی انداز اور کئی اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح وہ قاری کی مکمل توجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر بیدل حیدری کی غزل میں مرثیہ کے بھی بعض عناصر ملتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ آج انسانی سماج اور اس سماج میں موجود شخص کی فکری موت پر ماتم کر رہے ہوں۔

بیدل نے اپنی شاعری میں پیاس، صحرا، دریا، سمندر، پانی، لہو اور زخم جیسی خوبصورت اصطلاحات استعمال کیں۔ کافی اعتبار سے بیدل کی غزلیں عصر جدید کا ساتھ دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بیدل کی شاعری میں بالکل نئی اور خوبصورت تشبیہات ملتی ہیں۔ ان تشبیہات نے کلام کے لسانی وفکری حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ بیدل حیدری نے اردو غزل کو نئے مرکبات و ترکیبات بھی دی ہیں۔ جیسے شب بارش، دشت آفاق، سایہ نوازش، آنکھ کا صحرا، چپ کا لبادہ اور دشت ہنر وغیرہ۔

وہ ایک مڈل کلاس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایسے انسان تھے جنہوں نے اپنی تمام عمر معاشی پریشانیوں کا سامنا کرتے ہوئے گزاری۔ بیدل کی زندگی میں ان کو درپیش اقتصادی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کلیات بیدل کے مرتب شکیل سروش لکھتے ہیں:

> "زندگی بھر وہ ہمیشہ کسی نہ کسی ابتلاء کا شکار رہے، اپنے آبائی شہر غازی آباد بھارت سے پاکستان ہجرت، کبیر والا میں مستقل اقامت کے معاملات، معاشی کسمپرسی کے عالم میں خاندان کی کفالت کے سلسلے، سماجی روابط کی ازسر نو تشکیل، تہذیبی و ادبی زندگی کی فعالیت کے معاملات، ذاتی زندگی میں پے در پے رونما پزیر سانحات۔"[3]

بیدل کی شاعری کا اہم موضوع معاشرہ میں موجود معاشی تنگدستی ہے۔ بیدل چوں کہ خود بھی تمام عمر معاشی طور پر تنگدستی میں مبتلا رہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کبیر والا کی کثیر آبادی کو بھی اسی مسئلہ سے دوچار دیکھا۔ کبیر والا چوں کہ ایک پسماندہ علاقہ ہے جہاں ایک تو اقتصادی وسائل کا فقدان ہے دوسری جانب جو وسائل موجود ہیں ان

پر بھی یہاں کے جاگیر دار قابض ہیں۔ یہی وجہ ہے کی یہاں کے عوام تمام عمر مالی مشکلات کا سامنا کرتے اور دو وقت کی روٹی کی خاطر بھاگ دوڑ کرتے گزار دیتے ہیں۔ بیدل نے ایک حساس شاعر کی طرح کبیر والا کے معاشرہ میں موجود ان مسائل کو پیش کیا۔ چوں کہ وہ خود بھی انہی مسائل کا سامنا کر رہے تھے اس لیے اس موضوع کے بیان میں ان کے ہاں زیادہ گہرائی اور کرب کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

بیدل قبائے زیست ہے صد سو جگہ سے چاک
دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں[4]

بیدل حیدری ترقی پسندانہ نظریات کے حامل تھے مگر ترقی پسندوں سے بھی کچھ معاملات میں اختلاف بھی رکھتے تھے۔ ان کے یہ اختلافات مذہبی نوعیت کے حامل تھے البتہ انسانیت کی فلاح اور ظلم کے خلاف شاعری میں آواز اٹھانے کے معاملے میں وہ ترقی پسندوں کے حامی تھے۔ وہ خود کو ایک ترقی پسند مسلمان کہتے تھے۔ ان کی ترقی پسندی کے بابت ڈاکٹر اختر شمار رقم طراز ہیں:

"بیدل حیدری اپنے لب و لہجے سے ترقی پسندانہ سوچ کے حامل جدید اردو غزل کے نمائندہ شاعر تھے۔"[5]

بیدل حیدری کو اپنے عہد کے سماج میں موجود مسائل کا بخوبی علم تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی شاعری میں نہ صرف ان مسائل کے بیان کو خصوصی اہمیت دی۔ بیدل اپنی شاعری میں بورژوا طبقہ کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے نظر آتے ہیں۔ دراصل نا صرف کبیر والا بلکہ پورے پاکستان میں امیر طبقہ نا صرف غریب لوگوں کا استحصال کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خود کو ان کا مسیحا بھی کہتا ہے۔

بیدل سماج کو ایک اکائی کی صورت دیکھتے ہیں ان کے نزدیک اگر سماج کا ایک حصہ کسی خرابی میں مبتلا ہے تو دوسرا حصہ بھی تخریب کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے بیدل معاشرے میں موجود برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا ذمہ دار مجموعی طور پر معاشرے کو ہی قرار دیتے ہیں۔ بیدل کے ہاں سماج میں موجود چوری ڈکیتی، جسم فروشی، بداخلاقی اور اس جیسے دیگر مسائل کا اصل سبب ہمارے سماج کی اجتماعی بے حسی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اکثر مقامات پر سماجی ڈھانچے پر سوالات اٹھائے ہیں۔ بیدل کے نزدیک بچوں کی تربیت کا مناسب انتظام نہ کر پانا بھی پورے سماج کا مسئلہ ہے اور سماج میں موجود تمام افراد اس کے ذمہ دار ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں جہاں پاکستانی تاریخ کی تمام حکومتوں نے نااہلی کا ثبوت دیا وہیں بے حس خاموش رعایا بھی یکساں قصور وار ہے۔ بچوں کی معصومیت کو چھین کر انہیں چور بنانے والا یہی معاشرہ ہے:

کہیں سفر میں کہی لاریوں کے اڈوں پر

یہ میری قوم کے بچے جو جیب کاٹتے ہیں
یہ سب قصور ہمارے اسی سماج کے ہیں[6]

ایسا معاشرہ جہاں کسی غریب بیٹی کی عزت محفوظ نہ ہو، لوگ فاقے کرنے پر مجبور ہوں اور جگہ جگہ ظلم و جبر کا راج ہو ایسے ماحول میں معاشرہ میں مقیم افراد کی خاموشی بیدل کو سوال اٹھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہمارے معاشرہ کا یہ المیہ ہے کہ وسائل پر قابض طبقہ سے سوال کرنے کی بجائے غریب کو کاہل اور کام چور کہہ کر اسے ہی تنقید کا حدف بنایا جاتا ہے۔ بیدل فرسودہ سماجی اقدار کا تحفظ کرنے والے ایسے افراد سے کچھ اس طرح کے سوالات کرتے نظر آتے ہیں:

یہی سماج اگر ٹھیک ہے تو بات کرو
دلوں سے جذبہ غیرت مٹا دیا کس نے
یہ تم کو خواب گراں میں سلا دیا کس نے[7]

پاکستانی معاشرے میں طوائفوں کو سخت تنقید کا نشانہ تو بنایا جاتا ہے مگر ان کے مسائل اور اس کام پر مجبور ہونے کی وجہ نہیں معلوم کی جاتی۔ ان طوائفوں کے مسائل کو نظر انداز کرنے اور اس مقام تک لانے میں معاشرہ کا بہت عمل دخل ہے۔ وہ خواتین جو کسی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکیں ہمارے سماج میں دو وقت کی روٹی کے لیے در در کی خاک چھاننے پر مجبور ہیں۔ بیدل نے اس حکومتی اور سماجی رویہ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ بیدل کے مطابق رات میں کیا جانے والا جسم کا یہ بیوپار برائی پر مبنی کام ہے مگر وہ ان عورتوں کے طوائف بننے کے پیچھے موجود محرکات کو جسم فروشی سے بڑی برائی سمجھتے ہیں۔ بیدل کے نزدیک ان خواتین کو طوائف بنانے والا یہی سماج ہے۔

یہ عصمتوں کی تجارت یہ رات کا بیوپار
تباہیوں کا ذریعہ نہیں تو اور ہے کیا
یہ اس سماج کا ثمر نہیں تو اور ہے کیا[8]

بیدل حیدری کی شاعری کا ایک اہم موضوع بچوں کی زندگی اور اس میں موجود مسائل ہیں۔ پوری دنیا میں چائلڈ لیبر کے خلاف تحریک کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدا سے ہی ہو گیا تھا۔ امریکہ میں ۱۹۰۴ء میں "چائلڈ لیبر کمیٹی" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پاکستان میں بھی بچوں کے مزدوری کرنے کے خلاف قوانین تو بنائے جا چکے ہیں لیکن ان قوانین پر کوئی عمل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۶ء میں پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے تیس لاکھ سے زیادہ بچے مزدوری کرتے تھے۔ شمائلہ خاں کے مطابق یہ رپورٹ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مزدور (آئی ایل او) کی جانب سے ۲۰۱۷ء میں پیش کی گئی اور اس رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کو اعداد و شمار ہی ۱۹۹۶ء کے میسر ہو سکے۔[9]

عہد حاضر کے پاکستان میں کروڑوں بچے مزدوری کر کے اپنی اور اپنے گھر والوں کی شکم پروری کرنے پر مجبور ہیں۔ بیدل نے اپنی شاعری میں اس بین الاقوامی نوعیت کے مسئلہ پر قلم اٹھایا اور پاکستان میں موجود ان مظلوم بچوں کی آواز بنے۔

بھوک چہروں پہ لیے چاند سے پیارے بچے
بیچتے پھرتے ہیں گلیوں میں غبارے بچے
ان ہواؤں سے تو بارود کی بو آتی ہے
ان فضاؤں میں تو مر جائیں گے سارے بچے
کیا بھروسہ ہے سمندر کا خدا خیر کرے
سیپیاں چننے گئے ہیں مرے سارے بچے
ہو گیا چرخِ ستم گر کا کلیجہ ٹھنڈا
مر گئے پیاس سے دریا کے کنارے بچے[10]

بیدل کی شاعری میں بچوں کے ساتھ خصوصی محبت کی ایک نفسیاتی وجہ ان کے جواں سال بیٹے بابر کی ایک ٹریفک حادثہ میں ہونے والی ناگہانی موت بھی ہے۔ وہ تمام عمر اپنے بیٹے کی موت کے صدمہ میں رہے اور اس کا حوالہ ان کی شاعری میں بھی بیشتر مقامات پر موجود ہے۔

قبروں پہ ابھر آئے کہاں سے یہ لہو پھول
یہ پھول تو بیدل مرے بابر کی طرح ہیں[11]

بیدل کی شاعری کا ایک اور اہم موضوع تانیثی حقوق کا ہے۔ بیدل نے اپنی شاعری میں طبقہ امراء کی عورتوں کو درپیش نام نہاد مسائل کی بجائے پرولتاری طبقہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کے حقیقی مسائل کو پیش کیا ہے۔ پاکستانی سماج کا یہ المیہ رہا ہے کہ خواتین کے حق کے لیے آواز اٹھانے والے بھی طبقہ امراء سے تعلق رکھتے ہیں۔ پاکستان میں فیمنزم کی علمبردار خواتین کسی طور پر بھی خواتین کو درپیش مسائل سے آگاہ نہیں۔ زرق برق لباس میں ملبوس شاہانہ زندگی گزارنے والی یہ خواتین بچہ پیدا نہ کرنے اور کپڑے اپنی مرضی کے مطابق پہننے کے نعرے تو لگاتی ہیں مگر ان خواتین کا ذکر نہیں کرتیں جنہیں اچھا لباس اور دو وقت کی روٹی میسر ہی نہیں ہے۔ بورژوا طبقہ کے ہاں عورتوں کو درپیش معاشی مسئلہ زیر بحث ہی نہیں ہے۔ سماج میں موجود معاشی تنگدستی کا مسئلہ جس کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے سب سے زیادہ ان خواتین کو متاثر کر رہا ہے جن کے خاوند عمر کے اس حصے میں اس دنیا سے چل بسے جب ان کے بچے انتہائی چھوٹی عمر کے تھے۔ ان بچوں کی پرورش کے لیے یہ بیوہ خواتین انتہائی محنت ومشقت کرتی ہیں مگر ان خواتین کی جانب سے کی گئی اس محنت ومشقت پر ہمارا سماج ستائش اور تعریفی کلمات زیادہ اور اجرت کم دیتا ہے۔ بیدل نے انہیں عورتوں کے دکھ کو اپنی نظم "صبح عید" کا

موضوع بنایا ہے۔ عید کا دن جسے اردو شاعری کی تاریخ میں یا تو خوشی اور طرب کے مضمون میں باندھا گیا اور اگر دکھ کا تذکرہ کیا گیا تو اکثر و بیشتر مقامات پر محبوب کی جدائی کا بیان کیا گیا۔ بیدل نے اس روز کی مناسبت سے ایک بیوہ عورت کے مسائل کو موضوع سخن بنایا۔

مگر میری گلی کی ایک بی بی
خدا شاہد بڑی نیک بی بی
اکیلی جانب شہر خموشاں
پریشاں مضمحل حسرت بداماں
درود و فاتحہ پڑھنے چلی ہے
کہ اپنا مرثیہ پڑھنے چلی ہے[12]

بیدل نے اپنی شاعری میں موجود بین الاقوامی نوعیت کے مضامین ان کے شعری کینوس کی وسعت کے غماز ہیں۔ بیسویں صدی کے ربع سوم میں ہونے والی جنگ عظیم دوم میں امریکہ کی جانب سے جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے جس سے لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ بیدل نے اس واقعہ کو اپنی شاعری میں کچھ اس طرح بیان کیا:

تعجب ہے خدائے لم یزل نے ہیروشیما پر
بشر مرتا ہوا دیکھا فلک پھر بھی نہیں ٹوٹا[13]

بیدل حیدری کے ہاں بین الاقوامی سطح کے موضوعات میں سے ایک اور مثال یوم مزدور کی ہے۔ یکم مئی ۱۸۸٦ء میں امریکی شہر شکاگو میں مزدوروں کی ایک یونین کی جانب سے ڈیوٹی کا وقت بارہ گھنٹے سے کم کر کے آٹھ گھنٹے کرنے کا مطالبہ کرنے پر دوران احتجاج درجنوں مزدوروں کو قتل کر دیا گیا۔ ہزاروں افراد کو جیلوں میں بھیجا گیا۔ اسی ظلم کی یاد میں ہی پوری دنیا یکم مئی کو یوم مزدور مناتی ہے۔ بیدل حیدری نے شکاگو میں ہونے والے اس تاریخی ظلم پر "سرخ غزل" کے عنوان سے قلم اٹھایا۔[14]

بیدل کی شاعری میں بین الاقوامی سطح کا ایک اور موضوع ویت نام کی جنگ کے حوالے سے نظر آتا ہے۔ یہ جنگ بنیادی طور پر شمالی اور جنوبی ویت نام کے درمیان لڑی گئی۔ شمالی ویتنام کو کمیونسٹ سوچ رکھنے والے ممالک کی بالخصوص اور دیگر کئی ممالک کی بالعموم حمایت حاصل تھی جبکہ جنوبی ویتنام کو امریکہ اور اس کے حامیوں کا تعاون حاصل تھا۔ اس جنگ میں دنیا کے مختلف ممالک شامل رہے مگر جانیں ویت نام کے باشندوں ہی کی ضائع ہوئیں ۔ یکم نومبر ۱۹۵۵ء سے شروع یہ جنگ ۱۹۷۵ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ شمالی کوریا نے "سیگن" پر قبضہ کر لیا اور امریکہ کو وہاں سے

نکلنا پڑا۔ ویت نام کی اس جنگ کو بیدل حیدری نے "روایت" کے عنوان سے لکھی گئی ایک نظم میں کچھ اس طرح موضوع سخن بنایا[15]

بیدل حیدری کی شاعری متنوع مضامین پر مبنی ہے۔ ان کی شاعری میں بے روزگاری اور افلاس کے موضوع کو بنیادی اور نمایاں مقام حاصل ہے جس کی بنیادی وجہ ان کی تمام زندگی میں موجود محرومیاں اور معاشی مسائل ہیں۔ بیدل کی شاعری میں معاشرہ کو درپیش اجتماعی المیوں مثلاً طبقاتیت، عدل و انصاف کے دوہرے معیار، علاج کی سہولیات کے فقدان، غربت میں زندگی گزارتے بچوں، بین الاقوامی سطح پر ہونے والے مظالم اور بے روزگاری جیسے اہم موضوعات کو نہ صرف بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے محرکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بیدل صاحب کی شاعری نہ صرف آج کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے بلکہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آنے والا کل بھی اس کے رنگ قبول کرے گا۔ اس کی غزل ناہمواریوں کے کرب آشوب زیست معاشرتی اور طبقاتی کشمکش ملکی اور عالمی سطح کے متعدد مسائل و معاملات کی غمازی کرتی ہے اس کے لہجے کی تیزی طنز کی گہرائی اور کاٹ اس کی غزل کا طرح امتیاز ہے۔

حوالہ جات

1۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند (جلد ۱۰)، لاہور: مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، ص ۳۰

2۔ شکیل سروش، میرے استاد جی، مشمولہ، کلیات بیدل، مرتب، شکیل سروش، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء، ص ۴

۳۔ ایضاً، ص ۳

4۔ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ، کلیات بیدل، ص ۶

۵۔ اختر شمار، ڈاکٹر، مضمون، بیدل حیدری کی یاد میں، مشمولہ، روزنامہ دنیا، کراچی: (12 مارچ 2014ء)، ص 16

6۔ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ، کلیات بیدل، ص: ۷

7۔ ایضاً، ص ۷

8۔ ایضاً، ص ۷

۹۔ شمائلہ خان، پاکستان میں چائلڈ لیبر کا شیطانی چکر، مشمولہ بی بی سی اردو، کراچی: (3 اپریل 2017ء)

۱۰۔ بیدل حیدری، میری نظمیں مشمولہ کلیات بیدل، ص 17،18

11۔ بیدل حیدری، پشت پہ گھر، مشمولہ، کلیات بیدل، ص ۱۰۲

12۔ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ، کلیات بیدل، ص ۱۴،۱۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۴۔ ایضاً، ص 33

15۔ ایضاً ، ص10،9